© rasailojaraid.com

مولانا غلام رسول مہر

"شاہِ عالمگیر گردوں آستاں"

درصفِ شاہنشہاں یکتا ستے
فقرِ او از تربتش پیدا ستے

عالمگیر اعظم کے متعلق مولانا شبلی مرحوم کی کتاب کے بعد مختلف اصحاب کے تاثرات میں خاصی اصلاح ہو گئی، تاہم میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی ایسے لوگ بہ کثرت موجود ہیں جنھیں اس عظیم القدر شخصیت کی حقیقی حیثیت یا اس کی عظمت کے مبانی کا کوئی صحیح اندازہ نہیں۔ بعض تو شاید اسی بنا پر اسے مرجع احترام مانتے ہیں کہ جو گوناگوں تہمتیں اس مرحوم پر لگائی گئیں، ان میں سے کچھ نہ کچھ تو ضرور درست ہوں گی۔ گویا عالمگیر کے مثبت و مسلمہ محاسن ان کے پیشِ نظر نہیں، صرف منفی حیثیت کی وضعی اور قیاسی سرگرمیوں کا ایک مرقع ذہن میں سمایا ہوا ہے اور انھیں "خوبیاں" قرار دے کر اس کی بلند پائگی کا اعتراف کیا جاتا ہے حالاں کہ اس کا دامن ایسی چیزوں سے بالکل پاک تھا۔ اقبال نے بالکل بجا فرمایا تھا:

کور ذوقاں داستاں ہا ساختند
وسعتِ ادراکِ او نشناختند

مولانا شبلیؒ کا فیصلہ

خود مولانا شبلی مرحوم نے بھی کتاب کے آخر میں ایسی عبارت لکھ دی جسے عالمگیر کی حقیقی حیثیت سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ شاید اس خیال سے کہ یہ نہ سمجھا جائے، اسے خواہ مخواہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام مرحوم نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم (مولانا شبلی) کو علیٰ علیین میں جگہ دے۔ ان کی طبیعت میں ایک خاص بات یہ تھی کہ کوئی معاملہ ہو، وہ اس کی ابتدا شک اور تردد سے کیا کرتے تھے اور جب تک یقین کرنے کے لیے مجبور نہ ہو جائیں،

© rasailojaraid.com

یقین نہیں کرنا چاہتے تھے"۔

عالمگیر کے معاملے میں بھی تمام بے سر و پا غلط بیانیوں کی تردید اور حقائق و وقائع کی توضیح کے بعد مولانا مرحوم کی طبیعت کا وہ پہلو نمایاں ہو کر رہا جس کی طرف مولانا ابوالکلام مرحوم نے اشارہ کیا ہے۔

سیرت کی چند جھلکیاں

ایک مقالے میں، جس کا پیمانہ بہرحال محدود ہے، وہ سب کچھ تو سما نہیں سکتا جو مستقل کتاب کا متقاضی ہے، البتہ چند باتیں عرض کر دینے کی آرزو ہے، جن کے ملاحظے کے بعد ممکن ہے مختلف اصحاب علم و نظر مزید غور و تحقیق کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس شاہنشاہِ مظلوم کی سیرت و کردار کا جامع مرقع منظر عام پر آ جائے۔ غرض اس مقالے کی حیثیت ایک تمہید کی ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ چند ایسی جھلکیاں دکھا دی جائیں جو تخت شاہنشاہی پر محاسن اسلامیت و انسانیت کے اس جلوہ زار تک پہنچنے کے لیے چراغ راہ کا کام دے سکیں، جس کا نام اورنگ زیب عالمگیر تھا۔ یہ جھلکیاں عام تاریخی مرقعوں میں عموماً نہیں ملتیں۔

ولادت

عالمگیر کو شاہ جہاں اور ممتاز محل (بنت یمین الدولہ آصف خاں) کے چودہ بچوں میں سے بہ اعتبار ترتیب چھٹا درجہ حاصل تھا۔ وہ ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ (۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء) کی رات کو گجرات و مالوہ کی سرحد پر بہ مقام دوحد پیدا ہوا۔ اس وقت شاہ جہاں ولی عہد تھا۔ جہانگیر ملک عنبر کو شکست دے کر آگرہ کی طرف آ رہا تھا۔ جہانگیر ہی نے "اورنگ زیب" نام رکھا۔ گویا دادا کی زبان سے بے مقصد و ارادہ واضح ہو گیا کہ یہی نو مولود چالیس سال بعد اورنگ ہند کی زیب و زینت ہوگا۔

کلیم ہمدانی نے تاریخ کہی:

داد ایزد بہ بادشاہِ جہاں — خلفے ہم چو مہرِ عالم تاب
تاج صاحب قرانِ ثانی یافت — گوہرِ بحر از وگرفت حساب
نامش اورنگ زیب کرد فلک — تخت از بیں پایہ گشت عرش جناب
چوں بہ آں مژدہ آفتاب انداخت — افسرِ خویش بر ہوا چو حباب
خامہ از بہر سالِ تاریخش — زد رقم "آفتابِ عالم تاب"

© rasailojaraid.com

ایک اور شاعر نے نام کی بنا پر تاریخ نکالی:

گوہرِ تاجِ ملوک اورنگ زیب
۱۰۲۷

دو گزارشیں

یہاں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ عالمگیر کی تاریخ ولادت "آفتاب عالم تاب" تھی۔ وہ تخت نشین ہوا تو تاریخ خود نکالی: یعنی "آفتاب عالم تابم"، اور تاریخ وفات سید عبدالجلیل واسطی بلگرامی نے کہی:

"فی آفتاب عالم تاب" یعنی آفتاب عالم تاب کا زوال۔

۲۔ ماہ ذی قعدہ کو عالمگیر کی زندگی میں ایک خصوصیت حاصل ہو گئی۔ وہ اسی مہینے میں پیدا ہوا، غرۂ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ (۲۳ جولائی ۱۶۵۸ء)، باغ اعزآباد (دہلی) میں جو بعد میں شالامار کہلایا، تخت پر بیٹھا، جمعہ کا دن تھا۔ ۲۸۔ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ (۲۱۔ فروری ۱۷۰۷ء) کو جمعہ کے دن وفات پائی

تخت نشینی

تخت نشینی کی تاریخیں بہت کہی گئیں۔ سید عبدالرشید صاحب فرہنگ رشیدی نے قرآن مجید کی آیت سے تاریخ نکالی "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"۔

ملا شاہ نے "ظل الحق" سے تاریخ نکال کر رباعی کہی:

صحنِ دلِ من چوں گلِ خورشید شگفت — حق ظاہر شد و غبار باطل را رُفت
تاریخ جلوس شاہ حق آگہ را — "ظل الحق" گفت الحق ایں را حق گفت

ایک صاحب نے نو شعر کہے، ان کے ہر مصرعے سے ۱۰۶۸ نکلتے تھے۔

حفظ قرآن

قرآن مجید کی مختلف سورتیں ابتدا ہی سے حفظ تھیں۔ تخت نشینی کے بعد پورا قرآن حفظ کر لینے کا خیال آیا۔ کسی نے ابتدائے حفظ کی تاریخ سورۂ اعلیٰ کی اس آیت سے نکالی جس سے موزوں تر تاریخ کوئی نہیں ہو سکتی تھی یعنی "سنقرئک فلا تنسیٰ" (۱۰۷۱/۱۶۶۱)۔ حفظ قرآن کی تاریخ "لوح محفوظ"

© rasailojaraid.com

ہوئی (۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۲ء)۔

اس واقعہ کی نہایت دلچسپ تاریخ میرزا روشن ضمیر متخلص بہ ضمیر نے کہی، جو شاہجہاں کے عہد میں بخشی، عالمگیر کے عہد میں بندر سورت کا امین تھا اور غالباً سات ہزار روپے اسے بطور انعام ملے:

محی الدینی و مصطفیٰ حافظ تو صاحب سیفی و مرتضیٰ حافظ تو
تو حافظ شرع و حافظ تو شارع تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

عالمگیر نے جنگ کھجوہ میں شجاع پر فتح پائی تو ضمیر نے عین میدان جنگ میں اس فتح کی تاریخ کہی تھی:

اے حرز تو سورۂ تبارک بادا پیوستہ ترا تاج بہ تارک بادا
جستم ز پے شگون فتحت تاریخ دل گفت: شود فتح مبارک بادا

مومن کی شان دلاوری

عالمگیر کی فطری دلاوری اور شان استقامت کا بڑا مظاہرہ ہاتھی کے ساتھ جنگ میں ہوا، جب اس کی عمر صرف چودہ سال کی تھی۔ ایسا ہی ایک مظاہرہ جنگ بلخ میں ہوا، جب وہ عالمگیر نہیں، شہزادہ اورنگ زیب تھا۔ وہ قدم قدم پر اوزبکوں کو شکست دیتا ہوا ۲۵۔ مئی کو بلخ پہنچا تھا، تین روز وہاں ٹھہر کر گردوپیش کے مفسدوں کا قلع قمع کرنے کے قصد سے علی آباد، تیمورآباد ہوتا ہوا پشائی پہنچ گیا۔ وہاں اطلاع ملی کہ سبحان قلی بیگ بھاری فوج کے ساتھ بلخ پر حملے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔۔۔ اورنگ زیب کو فوراً مراجعت کرنی پڑی، فیض آباد میں دشمن کی تعداد بہت بڑھ گئی کیوں کہ عبدالعزیز خاں شاہ بخارا بھی فوج لے کر آگیا تھا۔ یہ لوگ جم کر لڑنے کے عادی نہ تھے۔ چھاپے مارتے یا پہاڑوں پر محفوظ مقامات میں بیٹھ کے تیروں اور گولیوں کی بارش شروع کر دیتے۔

اورنگ زیب لڑتا بھڑتا واپس آرہا تھا کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ رفیقوں کی امتناعی التجاؤں کے باوصف، شہزادہ نہایت اطمینان سے اترا، وضو کیا۔ نماز باجماعت پڑھی۔ سنن و نوافل بھی تعدیل ارکان کے ساتھ کمال حضور و طمانیت سے ادا کیے۔ عبدالعزیز خاں نے یہ واقعہ سنا تو جنگ روک دی اور بولا: "ایسے آدمی سے جنگ اپنی بربادی کا سامان ہے من استانس باللہ لم یستوحش من غیر اللہ (جو شخص خدا سے مانوس ہو وہ غیر اللہ سے موحش نہیں ہوتا)۔ یہی واقعہ اوزبکوں سے صلح کا باعث بن گیا۔

© rasailojaraid.com

نماز باجماعت اور جمعہ

جب سے ہوش سنبھالا اور نماز واجب ہوئی، نماز فرض اول وقت مسجد میں یا بصورت سفر مسجد سے باہر باجماعت ادا کرتا۔ سنن و نوافل و مستحبات بھی خضوع و خشوع سے پڑھتا۔ شاہ جہاں آباد میں جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد میں جاتا۔ اگر کبھی باہر جانا پڑتا تو قریب کے سفر سے جمعرات کو واپس آجاتا۔ اگر مراجعت ممکن نہ ہوتی تو جہاں ہوتا کسی قریب کے قصبے میں پہنچ جاتا تاکہ نماز جمعہ احسن طریق پر ادا ہو سکے۔ عیدین کی نمازیں سفر و حضر میں باجماعت پڑھتا۔ سخت سے سخت موسم میں بھی رمضان شریف کے روزے کبھی قضا نہ کیے۔ عشرۂ اخیرہ میں معتکف ہوتا۔ فرض روزوں کے علاوہ ہفتے میں تین روز ضرور روزے رکھتا (پیر، جمعرات اور جمعہ)

کمال تورّع

کمال تورّع و پرہیزگاری کے باعث گانا کبھی نہ سنا۔ لباس ہمیشہ سادہ پہنتا۔ غیر مشروع پارچا کبھی استعمال نہ کیا۔ زردوزی لباس یا رنگین و جواہر نگار کپڑے خود بھی چھوڑ دیے اور امیروں کو بھی ایسی پوشاک کی ممانعت کر دی۔ چاندی سونے کے ظروف میں کبھی کھانا نہ کھایا۔ کم سوتا اور زیادہ وقت عبادت میں بسر کرتا۔

سرائیں اور مسجدیں

مملکت کی تمام شاہراہوں پر جابجا سرائیں بنوا دیں جن میں دکانیں تھیں۔ وہاں سے مسافر ضرورت کی ہر شے خرید لیتے۔ ہر سرائے کے ساتھ مسجد، پختہ کنوئیں اور حمام بنوا دیے۔

جو مسجدیں بے آباد ہو گئی تھیں ان سب میں آبادی کا انتظام کر دیا۔ امام مقرر کیے۔ انھیں مسجد کی آبادی کے لیے ضروری خرچ ملتا۔ تمام بلاد و قصبات میں علما و فضلا کے لیے وظیفے مقرر کر دیے تاکہ وہ بہ اطمینان درس جاری رکھ سکیں۔ طلبہ کو بھی حالت و ضرورت کے مطابق مالی امداد دی جاتی تھی۔

"فتاوائے عالمگیری" کی ترتیب کا مقصد یہ تھا کہ علما کے درمیان مختلف مسائل میں جو اختلافات ہیں، وہ زائل ہو جائیں اور فتووں یا مقدمات کے فیصلوں میں ایک محقق و منظم مجموعۂ قوانین شرعی پر عمل ہو۔ ایسی ضرورت مدت سے محسوس کی جا رہی تھی لیکن کوئی اس عظیم القدر کام کے سرانجام کی ہمت نہ کر سکا اور یہ سہرا عالمگیر کے سر بندھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادشاہ کے خلاف نالش کا حق

بادشاہوں میں سے تنہا عالمگیر ہے جس نے حکم دیا تھا کہ اگر کسی شخص کے نزدیک بادشاہ کی طرف سے کوئی شرعی حق تلفی ہوئی ہو تو بے تکلف اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرکے تحقیقات کرائی جائے۔ چونکہ رعایا کے غریب افراد میں مراحل تحقیق کے مصارف ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی اس لیے شرعی وکیل مقرر کر دیے کہ وہ ایسے مقدمات کی تحقیق میں ہر ممکن امداد دیں۔ یہ گویا بادشاہ پر نالش کا حق تھا جو اس نے علی الاعلان رعایا کے ہر فرد کو دے دیا تھا۔

مقدمات رعایا کی سماعت

ہر روز دو یا تین مرتبہ خود دیوان عدالت میں بیٹھ کر رعایا کی نالشوں کا فیصلہ کرتا۔ وارد غہ ہائے عدالت مقرر کیے تاکہ وہ مظلوموں اور دادخواہوں کو ساتھ لائیں اور ان کے مقدمے بادشاہ کے سامنے پیش کریں۔ جابجا معتمد مقرر کیے۔ اگر منصدیان عدالت ضعیفوں اور مسکینوں کے مقدمات پر توجہ میں دیر کرتے تو انھیں حق تھا کہ معتمدوں کے پاس پیش ہو کر اپنی عرضیاں حضور شاہی میں لائیں۔ وہ خود ایسی تمام عرضیاں پڑھتا اور ان کے حاشیوں پر اپنے قلم سے جواب لکھتا۔

تحمل و بردباری

دیوان عدالت میں ہر فریادی کی ہر بات انتہائی کشادہ پیشانی اور نرم خوئی سے سنتا۔ بعض لوگ مطالبات پیش کرنے میں تیز گفتاری اور مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتے لیکن عالمگیر کبھی چیں بہ جبیں نہ ہوا۔ بعض درباریوں نے عرض کیا کہ مستغیثوں کو جسارت کی اجازت نہ دینی چاہیے۔ عالمگیر جواب دیتا کہ ایسے کلمات سننے سے ہمارے ملکۂ تحمل کو تقویت پہنچتی ہے۔

ملّا غنی کاشمیری کی شہادت

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یوں روزانہ دو بار دیوان عدالت میں کھڑے ہو کر عوام کے مقدمات سننے اور ان کی عرضیوں کا فیصلہ کرنے کی شہادت ملّا طاہر غنی کاشمیری نے بھی ایک رباعی کہہ کر دی ہے:

در عہدِ تو بسکہ بخت شد یار بخلق — ہرگز نہ دہد سپہر آزار بخلق

در باغ جہاں نہالِ جُودی کز فیض — ہر روز دو بار مے دہد بار بخلق

یہ رباعی ملّا غنی کے دیوان میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی ایک سلسلۂ فرائض

عمر اسّی سال سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن سلطنت کے استحکام، فتنہ و فساد کے انسداد، ملک کے امن و خوش حالی اور رعایا کی فلاح و بہبود کی خاطر فوج کے ساتھ ان پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرتا رہا۔ جہاں کسی بادشاہ نے شاید حالت امن میں بھی قدم نہ رکھا ہو۔ برساتیں، گرمیاں اور سردیاں خیموں میں گزار دیں۔ فتح کا مژدہ آتا تو معاً بارگاہ باری تعالیٰ میں سر بسجود ہو جاتا۔ امرا مبارک باد دینے آتے لیکن عالمگیر کے چہرے پر فتوحات سے کبھی شگفتگی ظاہر نہ ہوتی۔ یہی کیفیت اس وقت رہتی جب ناخوش گوار اطلاعات آتیں۔ گویا رنج و راحت میں اس کا وتیرہ عموماً یکساں رہتا۔ مکروہات پر صبر و سکون اور ثباتِ نفس پر کار بند رہتا۔ بشاشت و انبساط کی حالت میں بھی تبسم سے تجاوز کبھی نہ کیا۔ گویا پوری زندگی اس کے لیے فرائض و واجبات کا ایک سلسلہ تھی۔ جنھیں باقاعدگی سے ادا کرتے رہنا ہی سب سے بڑا کام تھا۔

مخابرت کا اہتمام

عالمگیر کی سلطنت شمال میں کابل سے جنوب میں انتہائے دکن تک اور مشرق میں منتہائے آسام و سرحد اراکان سے مغربی جانب بمبئی اور کاٹھیاواڑ تک پھیلی ہوئی تھی اور اس زمانے میں سفر یا مخابرت کے وہ وسائل ناپید تھے جن کی بدولت آج فاصلے سمٹ آئے ہیں۔ ہر مقام سے لمحوں میں اطلاعات مل سکتی ہیں اور جہاں کوئی فوج پہنچانا مقصود ہو گھنٹوں میں پہنچائی جا سکتی ہے۔ بہ ایں ہمہ عالمگیر نے خبر رسانی کا انتظام ایسا کر رکھا تھا کہ اسے وہ خبریں بھی مل جاتی تھیں، جو مختلف علاقوں کے ناظموں کے ذریعے سے نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ یہاں تک کہ وقائع نگار شہزادوں کی کوتاہیوں کے متعلق بھی صحیح اطلاعات باقاعدہ پہنچاتے رہتے تھے اور نظم و امن خلق کے اس مرکز عظیم سے انتباہی احکام بالاہتمام جاری ہوتے رہتے تھے۔ اس کی متعدد شہادتیں رقعاتِ عالمگیری سے مل سکتی ہیں۔

رقعات عالمگیری

عالمگیری رقعات کے کئی مجموعے ہیں، شہزادگی کے زمانے کی تحریرات پر جو زیادہ تر عرضداشتوں کی صورت میں شاہ جہاں کے پاس بھیجی گئیں، فی الحال بحث نہیں کی جا سکتی، اگرچہ وہ بھی پختگی، برجستگی، دل نشینی جزالت اور حسن تحریر کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ لیکن دور بادشاہی کے رقعات کو دیکھیے، فارسی زبان میں ایسی تحریروں کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ چھوٹے چھوٹے برجستہ فقرے، ہر جملہ حکیمانہ اور پند آموز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بصیرت افروز، حسن بیان ایسا کہ جو کچھ لکھتا ہے دل پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ تحریر میں قرآنی آیات، احادیث اور اشعار اس خوبی سے لاتا ہے گویا اس کے سامنے ہیروں اور جواہرات کا ایک خزانہ کھلا پڑا ہے، جسے چاہتا ہے اٹھا کر مناسب مقام پر رکھ دیتا ہے۔ مطالعے کی وسعت کا یہ عالم کہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی رہ گئی ہو جو اس کی نظر سے نہ گزری ہو اور تمام ضروری مطالب حافظے میں محفوظ نہ ہو گئے ہوں۔ بیدل اسی کے آخری زمانے کا شاعر تھا اور اس سے پندرہ سال بعد فوت ہوا لیکن اس کے اشعار بھی رقعات میں موجود ہیں۔ گویا وہ شعرائے عہد کے کلام سے بھی لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔ بیشتر اشعار ایسے ہیں جن سے مروجہ دیوان عموماً خالی ہیں۔ خدا جانے اس نے کب اور کس فرصت میں بے شمار دواوین اور بیاضیں پڑھیں اور ان کے اشعار یاد رکھے۔

گنجینۂ جواہر فکر

موسوی خاں معز بڑا غیور بلکہ ایک حد تک خود پسند امیر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے عرضداشت لکھی، جس میں یہ شعر بھی درج تھا:

در طلب ما بے زباناں امّت پروانہ ایم

سوختن، از عرض مطلب پیش ما آساں تر است

اسی عرضداشت میں دوسرا شعر تھا،

شد از غرورِ غلامی زبانِ عرض خموش

مرا بہ راہِ خطا این صوابہا انداخت

عالمگیر نے بے توقف عرضداشت کے حاشیے پر لکھ دیا:

بے زبانی مے کشاید بندہائے سخت را

در قفس طوطی ز منقار سخن گوے خود است

ایک شعر تو وہ ایسا لکھ گیا ہے کہ اس کے معارف کا حصر مشکل ہے۔ یعنی:

ہیچ مردے در پئے اصلاحِ خوے خویش نیست

ہر کرا دیدیم در آرایشِ خوے خود است

اپنی طبیعت کے مفاسد یا خامیوں کا احساس کرتے ہوئے ان کی اصلاح و درستی پر متوجہ ہونا ایک شے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور طبیعت سے جو کچھ سرزد ہو جائے اس کے لیے گوناگوں تعبیرات کے ذریعے یہ ظاہر کرنا دوسری شے ہے کہ وہ بہت اچھا تھا یا اس میں خامی کا کوئی پہلو نہ تھا۔ یہ اپنی طبیعت کی اصلاح نہیں آرائش ہے۔ عالمگیر کہتا ہے کہ کسی کو اپنی طبیعت کی اصلاح پر مائل نہ پایا۔ یہ نہ دیکھا کہ اس میں جو خامیاں ہیں۔ ان کے ازالہ کے لیے ساعی ہو۔ ہاں ہر شخص اپنی طبیعت کی آرائش میں خوب سرگرمی دکھاتا ہے۔

اس حقیقت کی مثالیں آپ کو ہر جگہ بہ کثرت مل جائیں گی۔

ذوقِ شعر

عالمگیر خود بھی شاعر تھا، اس کی ایک رباعی تو اکثر تذکروں میں ملتی ہے:

دیروز پئے گلاب سے گردیدم
پژمردہ گلے بر سرِ آتش دیدم
گفتم کہ چہ کردہ ای کہ مے سوزندت
گفتا کہ دریں باغ دمے خندیدم

شعر کے باب میں اس کا ذوق بھی بہت سچھا ہوا تھا۔ مغل بادشاہوں میں سے جہانگیر کو بہ اعتبارِ حسنِ ذوق بہت بلند پایہ مانا جاتا ہے۔ یہ درست ہے لیکن عالمگیر کے ذوق کو جہانگیر کے ذوق پر ایک لحاظ سے برتری حاصل تھی کیوں کہ اس میں حسن کے ساتھ اصلاح و حکمت کو بھی برابر کی اہمیت دی گئی تھی۔ رقعات یا عرضداشتوں میں جتنے شعر درج ہیں، وہ سب میری اس گزارش کے مصدّق ہیں۔ مثلاً:

آنچہ پژمردیم و کم دیدیم و در کار است و نیست
غنیمت جز آدم دریں عالم کہ بسیار است و نیست

اصل شعر وارستہ چلپی کا ہے۔ عالمگیر نے اس میں تھوڑا سا تصرف کیا ہے اور وارستہ کے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔

مکاتیب کے بعض اشعار

مکاتیب کے بعض اشعار بطور مثال یہاں درج ہیں:

گر صد ہزار لعل د گہر مے دہی چہ سود
دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

صحبت سفلہ چو انگشت نماید نقصاں
گرم سوزد بدن و سرد کند جامہ سیاہ

خدائے راست مسلّم است بزرگی و الطاف
کہ جرم بیند و ناں برقرار مے دارد

گر در یمنی و با منی، پیش منی
ور پیش منی و بے منی در یمنی

گہے از دست و گاہے از دل و گاہے ز پا مانم
بہ سرعت مے روی اے عمر مے ترسم کہ وا مانم

اور بیدل کا یہ شعر:

من نمے گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

یادِ خدا کی معجز نما تاثیر

میر عبدالکریم مخاطب بہ امیر خاں (بن امیر خاں بن ابوالقاسم تمکین) آخری دور میں عالمگیر کا مقرّب و محرم خاص بن گیا تھا۔ ۱۷۰۵ کا واقعہ ہے کہ وہ دکن کی مہموں کے سلسلے میں متواتر محنت و مشقت اٹھاتا ہوا بیمار ہو گیا۔ عمر نوّے سال کے قریب پہنچ گئی تھی۔ بیماری کی حالت میں بھی محض عزم و ہمت کے بل پر مشاغل جاری رکھے۔ دیوان عدالت میں بھی بیٹھتا۔ اپنے ہاتھ سے احکام لکھتا۔ مدعا یہ تھا کہ دل سپاہ میں ہراس نہ پھیلے، دوم ملک داری کے سلسلے میں جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں حتی الامکان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھیں بہ طریق احسن انجام دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیماری نے خاصی شدت اختیار کر لی اور سب کو صحت کی طرف سے مایوسی ہونے لگی۔

امیر خاں کا بیان ہے کہ ایک روز میں پلنگ کے قریب گیا تو بادشاہ سلامت کمزوری کی حالت میں آہستہ آہستہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

بہ ہشتاد و نود چوں در رسیدی
بسا سختی کہ از دوراں کشیدی
وزاں جا چوں بہ صد منزل رسانی
بود مرگے بصورت زندگانی

میں نے سنتے ہی عرض کیا، حضرت سلامت! شیخ نظامی گنجوی نے یہ شعر اس بیت کی تمہید میں کہے ہیں:

پس آں بہتر کہ خود را شاد داری
دراں شادی خدا را یاد داری

سنتے ہی فرمایا: پھر پڑھو۔ چند مرتبہ پڑھوا کر کہا لکھ کر دو۔ اگلی صبح بادشاہ سلامت کی بیماریاں زائل ہو چکی تھیں۔ وہ تندرست ہو کر دیوان مظالم میں آ بیٹھے اور فرمایا: تمھارے شعر نے ہمیں صحت کامل کی منزل میں پہنچا دیا اور جان ناتواں میں طرفہ طاقت آ گئی۔

شعر میں خدا کو یاد رکھنے اور خوش رہنے کی تلقین کی گئی تھی، یہی تلقین اس نیک دل اور دیندار بادشاہ کے لیے دستاویز صحت بن گئی۔

آخری منزل

غرض عالمگیر شجاعت، بردباری اور اصابت رائے میں بے مثال تھا۔ شریعت کی پاس داری جیسی اس نے کی، کوئی دوسرا بادشاہ اس سے بہتر شاید ہی کر سکا ہو۔ عبادت و ریاضت اور عدل گستری میں وہ سب پر فائق تھا۔ لمبی عمر پائی مگر قدرت نے ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے اسے محفوظ رکھا۔ اس لیے حواس خمسہ میں کوئی فتور نہ آیا کہتے ہیں کہ سماعت میں کسی قدر خلل آ گیا تھا مگر اس کا بھی احساس کسی کو نہیں ہوتا تھا۔

دہ جنوری ۱۷۰۶ء میں احمد نگر پہنچ گیا تھا جسے اپنی آخری منزل بنانا تھا۔ شہر سے دو میل باہر کیمپ تھا، وہیں ایک سال، ایک مہینہ اور کچھ دن گزار کر وفات پائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم اور اساتذہ

دوسرے شہزادوں کی طرح اورنگ زیب عالمگیر کی تعلیم کا انتظام بھی اعلیٰ پیمانے پر ہوا تھا، مگر اس نے اپنے شوق کی بنا پر بھی مختلف مشاہیر علم سے استفادہ کیا۔ اساتذہ کی فہرست خاصی طویل ہے:

۱۔ ملا عبد اللطیف سلطان پوری جنھیں معقولات و منقولات میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

۲۔ میر محمد ہاشم خلف میر محمد قاسم گیلانی۔ بارہ سال حرمین شریفین میں رہے۔ منقولات و معقولات کے علاوہ طب و ریاضی کی تعلیم بھی پائی۔ پہلے احمد آباد میں مشغول تدریس رہے۔ بیضاوی پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔

۳۔ ملا موہن بہاری، اصل نام محی الدین تھا۔ اپنے والد ملا عبد اللہ سے کسب علوم کے بعد وطن ہی میں درس دیتے رہے۔ شاہجہاں کی بارگاہ میں پہنچے تو اورنگ زیب کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے۔

۴۔ "احکام عالمگیری" کے بیان کے مطابق علامی سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں سے بھی سبق پڑھے۔

۵۔ سید محمد قنوجی جو علوم ریاضیہ وادبیہ کے ماہر تھے اور مطول کا حاشیہ لکھا۔

۶۔ شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی صاحب "تفسیر احمدی" و "نور الانوار" بھی عالمگیر کے استاد تھے۔

۷۔ شیخ عبد القوی کو بھی عالمگیر کا استاد ہونے پر بہت ناز تھا۔

۸۔ تخت نشین ہونے کے بعد امام غزالی کی احیاء العلوم اول سے آخر تک دانش مند خاں سے پڑھی۔ نیز بعض کتابیں ان کی نگرانی میں دوبارہ مطالعہ کیں۔

جامع علوم

علوم دینیہ میں سے تفسیر، حدیث، اور فقہ حنفی میں درجہ کمال حاصل تھا۔ دوسرے علوم کے علاوہ کتب طریقت و سلوک و اخلاق سے خاص دلچسپی تھی۔ ادبیات میں مہارت تامہ کی شہادت اس کے مکتوبات و منشآت سے مل سکتی ہے۔

خط نہایت عمدہ تھا، خصوصاً نسخ کی مشق اعلیٰ پیمانے پر بہم پہنچائی۔ دو قرآن مجید اپنے قلم سے لکھ کر حرمین شریفین بھیجے۔ دوسرے مشاغل کی طرح قرآن مجید کی کتابت کا سلسلہ بھی غالباً التزام کے ساتھ جاری رہا۔ یہ نسخے وقتاً فوقتاً کسی کے ذریعے سے فروخت ہوتے رہتے تھے۔ جیسا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخری وصایا سے واضح ہوتا ہے اور یہ رقم الگ رکھی جاتی تھی۔ ٹوپیاں بھی سی کر فروخت کرتے تھے۔

ایک ضروری نکتہ

جدو ناتھ سرکار اور بعض دوسرے غیر مسلم مورخین نے عالمگیر کے بعض آخری خطوں کو رنج وغم اور یاس و نومیدی کی دستاویزیں قرار دیا ہے۔ گویا وہ دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ عظیم المنزلت شخصیت خود اپنی مدت العمر کی مساعی کا انجام دیکھ کر حسرت کا پیکر بن گئی تھی۔ ان لوگوں کو کیا اندازہ ہو سکتا تھا کہ کوئی نیک دل مسلمان اور کوئی سچا خدا پرست مومن اپنے کسی عمل خیر پر فخر نہیں کر سکتا۔ مومن کی پوری زندگی بھی سراپا نیکی میں گزرے تو وہ یہی کہے گا کہ مجھے جو کچھ کرنا چاہیے تھا نہ کر سکا۔ خدا جانے محاسبے کے وقت میرا انجام کیا ہو؟ قوت ایمان جس قدر کامل ہوگی، اسی قدر خوف و خشیت الٰہی کا غلبہ ہوگا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰؓ سے پوچھا تھا کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ ہمارا اسلام، ہجرت، جہاد اور تمام اعمال جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے، ہمارے لیے ثابت و دائم ہوں اور جو اعمال آپؐ کے بعد کیے، ان سے برابر چھوٹ جائیں؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے رسول اللہ صلعم کے بعد کی نیکیوں کا ذکر کیا اور فرمایا ہمیں بڑی توقعات ہیں لیکن حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں جو کچھ ہم نے رسول اللہ صلعم کے بعد میں کیا ہے اس سے برابر سرابر چھوٹ جائیں۔

یہ خشیت الٰہی تھی۔ عالمگیر کے ان خطوط میں بھی بنیادی حیثیت خشیت ہی کو حاصل ہے لیکن جس جدو ناتھ سرکار نے شہزادہ کام بخش کے نام ایک خط کے ایک معمولی فقرے پر ٹاڈ کی پیروی میں مہملات کا طوفان بپا کر دیا، حالاں کہ کسی معمولی فارسی دان کو بھی اس کا مطلب سمجھنے میں دقت پیش نہیں آ سکتی تھی۔ وہ عالمگیر کے خطوط کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کیوں کر کر سکتا تھا؟

کور ذوقوں کی حق ناشناسی

کام بخش کے نام خط میں فقرہ تھا:

"اودے پوری والدۂ شما در بیماری با من بودہ ارادۂ رفاقت دارد۔"

اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ تمھاری والدہ اودے پوری محل بیماری میں میرے پاس رہی ہے اور یہیں رہنے کی خواہاں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جدو ناتھ سرکار نے پہلے ٹاڈ کے ایک افسانے کا ذکر کیا جس کا مفاد یہ تھا کہ اودے پوری راجپوت تھی اور وہ عالمگیر کے ساتھ ستی ہو جانا چاہتی تھی۔ پھر لکھتے ہیں یہ توصیح نہیں البتہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خودکشی کر لینا چاہتی تھی۔ یعنی اصل فارسی فقرے کا صحیح مفہوم سمجھنے سے اعراض کیا اور ٹاڈ کے افسانے کو ایک نئی شکل دے دی۔

آخری دور

آخری دنوں میں شہزادہ کام بخش اور شہزادہ محمد اعظم عالمگیر کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس نے کام بخش کو بیجاپور کا صوبیدار بنا کر بھیج دیا تھا۔ پھر اعظم کو حکم دیا کہ وہ اپنی صوبیداری پر چلا جائے ان کے چلے جانے پر بخار نے شدت اختیار کر لی۔ تاہم عالمگیر تین چار روز تک کمال تقویٰ کی بنا پر نماز با جماعت ادا کرتا رہا۔ حمید الدین خاں نے نجومیوں کی تجویز کے مطابق عرضداشت پیش کی کہ اس موقع پر ایک ہاتھی اور ایک بیش قیمت دانۂ الماس بطور تصدق دینا چاہیے۔ عالمگیر نے عرضداشت پر لکھا کہ ہاتھی تصدق کرنا ستارہ پرست ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ الماس اور ہاتھی تصدق کرنے کے بجائے چار ہزار روپے قاضی القضاۃ کو دے دیے جائیں تاکہ مستحقوں میں تقسیم ہو جائیں۔ ساتھ ہی لکھا کہ اس خاکسار کو جلد سپرد خاک کر دیں تابوت کے تکلف میں نہ پڑیں۔

مزید فرمایا:

۱۔ ٹوپیاں سینے کی اجرت سے چار روپے دو آنے عیسیٰ بیگ محلدار کے پاس موجود ہیں ان سے کفن خریدا جائے۔

۲۔ تین سو پانچ روپے کتابت قرآن کی اجرت کے ہیں وہ میری موت پر فقرا میں بانٹ دیے جائیں۔

۳۔ میرا سر ننگا رکھا جائے کیونکہ خدا کی بارگاہ جلال میں ننگے سر جانے سے امید ہے کہ رحم و کرم کا مستحق ٹھہروں۔

محاسبۂ آخرت کا خیال

مبارک اللہ واضح مخاطب بہ ارادت خاں نے اپنے تذکرے میں عالمگیر کے دور آخر کے بعض کوائف لکھے ہیں۔ مثلاً ارادت خاں شاہنشاہ کے انتقال سے ایک سال اور چند ماہ پیشتر منڈو دھالوا کا قلعہ دار اور فوجدار مقرر ہوا تھا۔ رخصتی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو عالمگیر نے خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب نگاہ کا پردہ ہٹا کر اسے اندر بلا لیا اور فرمایا:

"اب ہمارے اور تمھارے درمیان جدائی ہے۔ ملاقات کہاں ہوگی۔ تمھارے حق میں ہم سے دانستہ و نادانستہ کوئی نامناسب امر پیش آیا ہو تو اسے معاف کر دو اور تین مرتبہ کہو "معاف کیا"۔ اسی طرح تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ اگر دانستہ و نادانستہ تم سے کوئی تقصیر ہو گئی ہو تو ہم بھی اسے معاف کرتے ہیں۔"

واقع لکھتا ہے کہ یہ الفاظ شاہنشاہ کی زبان سے سن کر شدت گریہ گلوگیر ہو گئی اور میرے حلق سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ تاہم حضرت کے انتہائی اصرار پر میں نے حالت گریہ ہی میں تین مرتبہ "معاف کیا" کہا جو شہنشاہ بھی آبدیدہ ہو گئے اور دعائے خیر کے بعد مجھے رخصت کیا۔

سوچیے اور غور کیجیے کہ یہ کسی عام دنیا دار بادشاہ کا کردار ہے جو تاریخ ہند کی سب سے بڑی سلطنت کا فرمانروا تھا؟ یہ ایک سچے مسلمان کا کردار تھا جس نے تخت شاہنشاہی پر بھی آخرت کے محاسبے کو ہمیشہ دل سے قریب رکھا۔

وفات

واقع مزید لکھتا ہے کہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے، کاش میری وفات جمعہ کے دن ہو۔ جس شخص کی وفات جمعہ کے روز ہوتی، اس کی حالت پر رشک کرتے۔ ۲۸۔ ذی قعدہ ۱۱۱۸ (۲۱۔ فروری ۱۷۰۷ء) کو جمعہ کا دن تھا۔ صبح کی نماز جماعت کے ساتھ بیٹھ کر ادا کی۔ جب سے نماز آپ پر فرض ہو گئی تھی، نماز جمعہ کبھی فوت نہیں ہوئی تھی۔ ادائے نماز صبح کے بعد پھر حسرت سے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی یعنی کاش میری رحلت جمعہ کے دن ہو۔ صبح کی نماز کے بعد اشراق کی نماز بھی ادا کر چکے۔ پھر غسل خانے گئے۔ وہاں سے پلنگ پر آئے۔ معمول یہ تھا کہ ہمیشہ باوضو رہتے۔ غسل خانے سے واپسی پر وضو کا سامان آنے تک تیمم کر لیتے۔ تیمم کے لیے پہلی ضرب لگا کر چہرے مبارک پر ہاتھ پھیرے کہ روح قدسی تنگنائے بدن سے نکل اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔ اس کے بعد بھی انگشت ہائے مبارک ایک گھڑی تک معمول کے مطابق عقد انامل میں مصروف رہیں۔

مزار خلد آباد

شہزادہ اعظم شاہ خبر ملتے ہی راستے سے لوٹ کر تیسرے روز احمد نگر پہنچ گیا اور انتہائی سوز و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت سے والد ماجد کا نام لے لے کر روتا رہا۔ اپنی حقیقی بہن زینت النسا بیگم اور دوسری بیگمات کو تسلی دی، وصیت کے مطابق جنازہ تیار کرایا۔ خود تھوڑی دور تک کندھا دیا۔ پھر جنازہ شیخ زین العابدین کے مزار کے پاس دفن کے لیے بھیج دیا۔ عالمگیر کا لقب بعد وفات "خلد مکان" قرار پایا۔ جس مقام پر اسے دفن کیا گیا اس کا نام خلد آباد رکھا گیا اور کئی سیر حاصل دیہات مزار عالمگیر کے مصارف کے لیے مقرر کر دیے گئے۔

مزار کی صورت یہ ہے کہ سنگ سرخ کا ایک چبوترہ ہے۔ طولاً تین گز اور عرضاً اڑھائی گز۔ اس کی بلندی چند انگشت سے زیادہ نہیں۔ قبر کے بالائی حصے میں مٹی بھر کر ریحان بو دیے ہیں۔

عمر اکانوے سال تیر[illegible] ز، اور مدت سلطنت پچاس سال دو ماہ اور ستائیس دن تھی۔

خانہ جنگی

عالمگیر نے آخری دنوں میں وصیت نامے کے ذریعے سے سلطنت تینوں زندہ بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی۔ فرزند اکبر یعنی محمد معظم جو شاہ عالم بہادر شاہ اول کے لقب سے بادشاہ ہوا، اس پر عمل کے لیے تیار تھا لیکن دوسرے بیٹے محمد اعظم نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ جاجو میں دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں اعظم اور اس کے دو نہایت قابل بیٹے بیدار بخت اور والا جاہ مارے گئے۔ محمد معظم اپنے چھوٹے بھائی کام بخش کے ساتھ بھی وصیت والد کے مطابق سلوک پر آمادہ تھا بلکہ کچھ زیادہ بھی دینا چاہتا تھا۔ مگر بدقسمتی سے اس نے بھی مصالحت منظور نہ کی۔ لڑائی میں مہلک زخم کھائے اور فوت ہو گیا۔

سلطنت مغلیہ کا زوال

آگے چل کر مغلوں میں تخت نشینی جنگ کے بغیر ممکن ہی نہ رہی۔ ان پیہم خونریزیوں میں ملک کا امن بھی برباد ہوا، قابل امرا بھی مارے گئے۔ نظم و نسق کے رشتے رفتہ رفتہ ٹوٹتے گئے۔ جن مفسدانہ قوتوں کو عالمگیر نے کچل کر رکھ دیا تھا، وہ بے نظمی اور خانہ جنگی کی فضا کو سازگار پا کر از سر نو زور پکڑ گئیں۔ عین اسی دور میں پہلے نادر شاہ افشار نے حملہ کیا اور محض مال و دولت ہی نہیں بلکہ سلطنت کا دو صد سالہ وقار بھی جھاڑو کے ساتھ سمیٹ کر لے گیا۔ پھر احمد شاہ ابدالی نے یکے بعد دیگرے سات حملے کیے۔ جن سے شدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا مدفون خزانے تو نادر شاہ ہی صاف کر چکا تھا۔ تاہم احمد شاہ نے بھی جس حد تک ممکن تھا کمی نہ کی۔

ان تمام "اندرونی" و "بیرونی"، "اسلامی" و "غیر اسلامی" مصیبتوں کو نظر انداز کر کے سلطنت مغلیہ کے زوال کی تہمت عالمگیر پر عائد کرنا خدا جانے کس قسم کی تاریخ دانی، کیسی وقائع نگاری اور کس نوعیت کی حق شناسی ہے؟

چکید خونِ دل از پردہ ہاسے دیدۂ من
بہ بزمِ پیرِ مغاں بادہ ایں چنیں نہ چکید

اسلام اور رواداری

مولانا رئیس احمد جعفری

قرآن کریم، حدیث نبوی، فقہ اسلامی اور اسوۂ نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کا دامن غیر مسلموں کے لیے کس درجہ عطا بار اور خطا پوش ہے۔

جلد اول، صفحات ۴۲۳ — ۲۵/۔
جلد دوم، صفحات ۴۷۴ — ۵۰/۔

تعلیماتِ غزالی

مولانا محمد حنیف ندوی

فقہ و تصوف میں کیا تعلق ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے تصوف کا کیا مقام ہے؟ نیز اس کی اصطلاحیں کن معنوں میں استعمال ہوتی ہیں؟ ان تمام سوالات کا تسلی بخش جواب۔

صفحات ۵۷۲ — ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com